(گذشتہ سے پیوستہ)

تذکرۂ انبیاء

علیہم السلام

از

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مغفور

باب اوّل ——— قصہ آدم علیہ السلام

فصل ۱۱ تا ۱۲

فصل ۱۱

انسان کے لیے تسخیرِ کائنات

خلافتِ آدمؑ سے مسئلہ تسخیرِ کائنات کا بہت قریبی تعلق ہے۔ اللہ کی طرف سے مخلوق کے لیے جو فرمانِ تسخیر ملا ہے، اس کے بغیر نیابت و خلافت کا کوئی تصوّر نہیں کیا جا سکتا۔ اشیاء و موجودات اور طبعی قوتوں کو ایسے قوانین کا پابند کیا گیا ہے اور ایسے حدود میں رکھا گیا ہے کہ وہ انسانی زندگی کے لیے سازگار اور مفید ہو سکیں اور ان قوانین و حدود کا علم حاصل کر کے انسان ان کو اپنے کام میں لا سکے۔ اگر انسان کے لیے کائنات کو اس طرح سازگار نہ بنایا جاتا اور موجودات اور قوتوں کو مسخر نہ کیا گیا ہوتا تو انسانی زندگی ہی ممکن نہ تھی، کجا کہ نیابتِ الٰہی کا فریضہ انجام دیا جائے۔ تسخیرِ کائنات کی بحث کا خلافتِ انسانی سے اتنا اہم تعلق ہے کہ قصۂ آدم کے ساتھ ایک ضمنی بحث کے طور پر اسے شامل کرنا ضروری تھا۔ (مرتبین)

آدم کے لیے فرمانِ تسخیر

طبقۂ کائنات میں جس قدر فرشتے مامور ہیں ان سب کو انسان کے لیے مطیع و مسخر ہو جانے کا حکم دیا گیا۔ چونکہ اس علاقے میں اللہ کے حکم سے انسان خلیفہ بنایا جا رہا تھا اس لیے فرمان جاری ہوا کہ صحیح یا غلط جس کام میں بھی انسان اپنے ان اختیارات کو، جو ہم اسے عطا کر رہے ہیں استعمال کرنا چاہے اور ہم اپنی مشیت کے تحت اُسے ایسا کر لینے کا موقع دے دیں تو تمھارا فرض ہے کہ تم میں سے جس جس کے دائرۂ عمل سے وہ کام متعلق ہو، وہ اپنے دائرے کی حد تک اس کا ساتھ دے۔ وہ چوری کرنا چاہے یا نماز پڑھنے کا ارادہ کرے، نیکی کرنا چاہے، یا بدی کے ارتکاب کے لیے جائے، دونوں صورتوں میں جب تک ہم اسے اس کی پسند کے مطابق عمل کرنے کا اذن دیے رہیں تمھیں اس کے لیے سازگاری کرنی ہوگی۔ مثال کے طور پر

اس کو یوں سمجھیے کہ ایک فرمانروا جب کسی شخص کو اپنے ملک کے کسی صوبے یا ضلع کا حاکم مقرر کرتا ہے تو اس علاقے میں حکومت کے جس قدر کارندے ہوتے ہیں ان سب کا فرض ہوتا ہے کہ اس کی اطاعت کریں۔ اور جب تک فرمانروا کا منشا یہ ہے کہ اسے اپنے اختیارات کے استعمال کا موقع دے اس وقت تک اس کا ساتھ دیتے رہیں۔ قطع نظر اس سے کہ وہ صحیح کام میں ان اختیارات کو استعمال کر رہا ہے، یا غلط کام میں۔ البتہ جب، جس کام کے بارے میں بھی فرمانروا کا اشارہ ہو جائے کہ اسے نہ کرنے دیا جائے۔ تو وہیں ان حاکم صاحب کا اقتدار ختم ہو جاتا ہے۔ اور انھیں ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ سارے علاقے کے اہل کاروں نے گویا ہڑتال کر دی ہے۔ حتیٰ کہ جس وقت فرمانروا کی طرف سے ان حاکم صاحب کی معزولی اور گرفتاری کا حکم ہوتا ہے۔ تو وہی ماتحت و خدام جو کل تک ان کے اشاروں پر حرکت کر رہے تھے، ان ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال کر انھیں کشاں کشاں دارالفاسقین کی طرف لے جاتے ہیں۔ فرشتوں کو آدم کے لیے سربسجود ہو جانے کا جو حکم دیا گیا تھا اس کی نوعیت کچھ اسی قسم کی تھی۔ ممکن ہے کہ صرف مسخر ہو جانے ہی کو سجدہ سے تعبیر کیا گیا ہو۔ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ اس انقیاد کی علامت کے طور پر کسی ظاہری فعل کا بھی حکم دیا گیا ہو اور یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

انسان کے لیے کائنات کو کس معنی میں مسخر کیا گیا ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝ (ابراھیم- آیات ۳۲-۳۳)

"جس نے کشتی کو تمھارے لیے مسخر کیا کہ سمندر میں اس کے حکم سے چلے اور دریاؤں کو تمھارے لیے مسخر کیا، جس نے سورج اور چاند کو تمھارے لیے مسخر کیا جو لگاتار چلے جارہے ہیں اور رات اور دن کو تمھارے لیے مسخر کیا۔"

"تمھارے لیے مسخر کیا" کو عام طور پر لوگ غلطی سے "تمھارے تابع کر دیا" کے معنی میں لے لیتے ہیں، اور پھر اس مضمون کی آیات سے عجیب عجیب معنی پیدا کرتے لگتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض لوگ تو یہاں تک سمجھ بیٹھے ہیں کہ ان آیات کی رُو سے تسخیر سمٰوات و ارض انسان کا منتہائے مقصود ہے۔ حالانکہ انسان کے لیے ان چیزوں کو مسخر کرنے کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے قوانین کا پابند بنا رکھا ہے جن کی بدولت وہ انسان کے لیے نافع ہو گئی ہیں۔ کشتی اگر فطرت کے چند مخصوص قوانین کی پابند نہ ہوتی تو انسان کبھی بحری سفر نہ کر سکتا۔ دریا اگر مخصوص قوانین میں جکڑے ہوئے نہ ہوتے تو کبھی ان سے نہریں نہ نکالی جاسکتیں۔ سورج

دریا، ہوا اور روز و شب اگر ضابطوں میں کسے نہ ہوتے تو یہاں کی زندگی ہی ممکن نہ ہوتی کجا کہ ایک پھلتا پھولتا انسانی تمدن وجود میں آسکتا۔

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ (النحل - آیت ۱۴)

وہی ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کر رکھا ہے تاکہ تم اس سے تر و تازہ گوشت لے کر کھاؤ اور اس سے زینت کی وہ چیزیں نکالو جنھیں تم پہنا کرتے ہو۔ تم دیکھتے ہو کہ کشتی سمندر میں سینہ چیرتی ہوئی چلتی ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور اس کے شکرگزار بنو۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَن تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ۔ (الحج - آیت ۶۵)

کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اس نے وہ سب کچھ تمہارے لیے مسخر کر رکھا ہے جو زمین میں ہے، اور اسی نے کشتی کو قاعدے کا پابند بنایا ہے کہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے اور وہی آسمان کو اس طرح تھامے ہوئے ہے کہ اس کے اذن کے بغیر وہ زمین پر نہیں گر سکتا۔

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ۔ (لقمان - آیت ۲۰)

کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے زمین اور آسمانوں کی ساری چیزیں تمہارے لیے مسخر کر رکھی ہیں۔

کسی چیز کو کسی کے لیے مسخر کرنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ چیز اس کے تابع کر دی جائے اور اسے اختیار دے دیا جائے کہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے اور جس طرح چاہے اسے استعمال کرے۔ دوسرے یہ کہ اس چیز کو ایسے ضابطہ کا پابند کر دیا جائے جس کی بدولت وہ اس شخص کے لیے نافع ہو جائے اور اس کے مفاد کی خدمت کرتی رہے۔ زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کیلئے ایک ہی معنی میں مسخر نہیں کر دیا ہے، بلکہ بعض چیزیں پہلے معنی میں مسخر کی ہیں اور بعض دوسرے معنی میں۔ مثلاً ہوا، پانی، مٹی، آگ، نباتات، معدنیات، مویشی وغیرہ بے شمار چیزیں پہلے معنی میں ہمارے لیے مسخر ہیں، اور چاند سورج وغیرہ دوسرے معنی میں۔

فصل ۱۲

انسانی زندگی کے لیے سازگار ماحول کی فراہمی

أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ
خِلَالَهَآ أَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ
وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا
(النمل - آیت ۶۱)

اور وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور
اس کے اندر دریا رواں کیے اور اس میں (پہاڑوں
کی) میخیں گاڑدیں اور پانی کے دو ذخیروں کے درمیان
پردے حائل کردیے۔

زمین کا اپنی بے حد وحساب مختلف النوع آبادی کے لیے جائے قرار ہونا بھی کوئی سادہ سی بات نہیں ہے۔ اس کرۂ خاکی کو جن حکیمانہ مناسبتوں کے ساتھ قائم کیا گیا ہے، ان کی تفصیلات پر آدمی غور کرے تو اس کی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور اسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ مناسبتیں ایک حکیم و دانا قادرِ مطلق کی تدبیر کے بغیر قائم نہ ہوسکتی تھیں۔ یہ کرہ فضائے بسیط میں معلق ہے، کسی چیز پر ٹکا ہوا نہیں ہے مگر اس کے باوجود اس میں کوئی اضطراب و اہتزاز نہیں ہے۔ اگر اس میں ذرا سا بھی اہتزاز ہوتا جس کے خطرناک نتائج کا ہم کبھی زلزلہ آجانے سے بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں تو یہاں کوئی آبادی ممکن نہ تھی۔

یہ کرہ باقاعدگی کے ساتھ سورج کے سامنے آتا اور چھپتا ہے جس سے رات اور دن کا اختلاف رونما ہوتا ہے۔ اگر اس کا ایک ہی رُخ ہر وقت سورج کے سامنے رہتا اور دوسرا رُخ ہر وقت چھپا رہتا تو یہاں کوئی آبادی ممکن نہ ہوتی کیونکہ ایک رُخ کو سردی اور بے نوری نباتات اور حیوانات کی پیدائش کے قابل نہ رکھتی اور دوسرے رُخ کو گرمی کی شدت بے آب و گیاہ اور غیر آباد بنادیتی۔ اس کرہ پر پانچ سو میل کی بلندی تک ہوا کا ایک کثیف ردا چڑھا دیا گیا ہے جو شہابوں کی خوفناک بم باری سے اسے بچائے ہوئے ہے۔ روزانہ دو کروڑ شہاب جو ۳۰ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے زمین کی طرف گرتے ہیں، یہاں وہ تباہی مچاتے کہ کوئی انسان، حیوان یا درخت جیتا نہ رہ سکتا تھا۔ یہی ہوا درجۂ حرارت کو قابو میں رکھتی ہے، یہی سمندروں سے بادل اٹھاتی اور

زمین کے مختلف حصوں تک آب رسانی کی خدمت انجام دیتی ہے۔ اور یہی انسان اور حیوان اور نباتات کی زندگی کو مطلوب گیسیں فراہم کرتی ہے۔ یہ نہ ہوتی تب بھی زمین کسی آبادی کے لیے جائے قرار نہ بن سکتی۔ اس کُرے کی سطح سے بالکل متصل وہ معدنیات اور مختلف قسم کے کیمیاوی اجزاء بڑے پیمانے پر فراہم کردیے گئے ہیں جو نباتی، حیوانی اور انسانی زندگی کے لیے مطلوب ہیں۔ جس جگہ بھی یہ سروسامان مفقود ہوتا ہے وہاں کی زمین کسی زندگی کو سہارنے کے لائق نہیں ہوتی۔ اس کُرے پر سمندروں، دریاؤں، جھیلوں، چشموں اور زیرِزمین سوتوں کی شکل میں پانی کا بڑا عظیم الشان ذخیرہ فراہم کردیا گیا ہے اور پہاڑوں پر بھی اس کے بڑے بڑے ذخائر کو منجمد کرنے اور پھر پگھلا کر بہانے کا انتظام کردیا گیا ہے۔ اس تدبیر کے بغیر یہاں کسی زندگی کا امکان نہ تھا۔

پھر اس پانی، ہوا اور ان تمام اشیاء کو جو زمین پر پائی جاتی ہیں، سمیٹے رکھنے کے لیے اس کُرے میں نہایت ہی مناسب کشش رکھ دی گئی ہے۔ یہ کشش اگر کم ہوتی تو ہوا اور پانی، دونوں کو نہ روک سکتی اور درجۂ حرارت اتنا زیادہ ہوتا کہ زندگی یہاں دشوار ہو جاتی۔ یہ کشش اگر زیادہ ہوتی تو ہوا بہت کثیف ہو جاتی، اس کا دباؤ بڑھ جاتا۔ بخاراتِ آبی کا اٹھنا مشکل ہوتا اور بارشیں نہ ہوسکتیں، سردی زیادہ ہوتی، زمین کے بہت کم رقبے آبادی کے قابل ہوتے، بلکہ کششِ ثقل بہت زیادہ ہونے کی صورت میں انسان اور حیوانات کی جسامت بہت کم ہوتی اور ان کا وزن اتنا زیادہ ہوتا کہ نقل و حرکت بھی ان کے لیے مشکل ہوتی۔ علاوہ بریں، اس کُرے کو سورج سے ایک خاص فاصلے پر رکھا گیا ہے جو آبادی کے لیے مناسب ترین ہے۔ اگر اس کا فاصلہ زیادہ ہوتا تو سورج سے اس کو حرارت کم ملتی، سردی زیادہ ہوتی، موسم بہت لمبے ہوتے، اور مشکل ہی سے یہ آبادی کے قابل ہوتا۔ اگر فاصلہ کم ہوتا تو اس کے برعکس گرمی کی زیادتی اور دوسری بہت سی چیزیں مل کر اسے انسان جیسی مخلوق کی سکونت کے قابل نہ رہنے دیتیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ	وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمھارے لیے زمین
قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً۔	کو جائے قرار بنایا اور اوپر آسمان کا گنبد
(المومن۔ آیت ۶۴)	بنادیا۔

یعنی تمھیں کھلی فضا میں نہیں چھوڑ دیا گیا کہ عالمِ بالا کی آفات بارش کی طرح برس کر تم کو تہس نہس کردیں، بلکہ زمین کے اوپر ایک نہایت مستحکم سماوی نظام (جو دیکھنے والی آنکھ کو گنبد کی طرح نظر آتا ہے) تعمیر کردیا۔ جس سے گزر کر کوئی تباہ کُن چیز تم تک نہیں پہنچ سکتی، حتیٰ کہ آفاق کی مہلک شعاعیں تک نہیں پہنچ سکتیں۔

اور اسی وجہ سے تم امن و چین کے ساتھ زمین پر جی رہے ہو۔

یہ صرف چند وہ مناسبتیں ہیں جن کی بدولت زمین اپنی موجودہ آبادی کے لیے جائے قرار بنی ہے۔ کوئی شخص عقل رکھتا ہو اور ان امور کو نگاہ میں رکھ کر سوچے تو وہ ایک لمحہ کے لیے بھی نہ یہ تصوّر کر سکتا ہے کہ کسی خالقِ حکیم کی منصوبہ سازی کے بغیر یہ مناسبتیں محض ایک حادثہ کے نتیجے میں خود بخود قائم ہو گئی ہیں، اور نہ یہ گمان کر سکتا ہے کہ اس عظیم الشان تخلیقی منصوبے کو بنانے اور روبعمل لانے میں کسی دیوی دیوتا، یا جن یا ولی، یا فرشتے کا کوئی دخل ہے۔

سورج اور زمین

وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا	اور سورج وہ اپنے ٹھکانے کی طرف چل رہا
ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ۔	ہے۔ یہ زبردست علیم ہستی کا باندھا ہوا
(یٰس۔ آیت ۳۸)	حساب ہے۔

رات اور دن کی آمد و رفت بھی انہی پیش افتادہ حقائق میں سے ہے جنھیں انسان محض اس بنا پر کہ وہ معمولاً دنیا میں پیش آ رہے ہیں، کسی التفات کا مستحق نہیں سمجھتا۔ حالانکہ اگر وہ اس بات پر غور کرے کہ دن کیسے گزرتا ہے اور رات کس طرح آتی ہے، اور دن کے جانے اور رات کے آنے میں کیا حکمتیں کارفرما ہیں تو اسے خود محسوس ہو جائے کہ یہ ایک ربِّ قدیر و حکیم کے وجود اور اس کی یکتائی کی روشن دلیل ہے۔ دن کبھی نہیں جا سکتا اور رات کبھی نہیں آ سکتی جب تک زمین کے سامنے سے سورج نہ ہٹے۔ دن کے ہٹنے اور رات کے آنے میں جو انتہائی باقاعدگی پائی جاتی ہے وہ اس کے بغیر ممکن نہ تھی کہ سورج اور زمین کو ایک ہی اٹل ضابطہ نے جکڑ رکھا ہو۔ پھر اس رات اور دن کی آمد و رفت کا جو گہرا تعلق زمین کی مخلوقات کے ساتھ پایا جاتا ہے وہ اس بات پر صاف دلالت کرتا ہے کہ کسی نے یہ نظام کمال درجے کی دانائی کے ساتھ بالارادہ قائم کیا ہے۔ زمین پر انسان اور حیوان اور نباتات کا وجود، بلکہ یہاں پانی اور ہوا اور مختلف معدنیات کا وجود بھی دراصل نتیجہ ہے اس بات کا کہ زمین کو سورج سے ایک خاص فاصلے پر رکھا گیا ہے، اور پھر یہ انتظام کیا گیا ہے کہ زمین کے مختلف حصّے تسلسل کے ساتھ مقرر وقفوں کے بعد سورج کے سامنے آتے اور اس کے سامنے سے ہٹتے رہیں۔ اگر زمین کا فاصلہ سورج سے بہت کم یا بہت زیادہ ہوتا، یا اس کے ایک حصّے پر ہمیشہ رات رہتی اور دوسرے حصہ پر ہمیشہ دن رہتا، یا شب و روز کا الٹ پھیر بہت تیز یا بہت سست ہوتا، یا بے قاعدگی کے ساتھ اچانک کبھی دن

نکل آتا اور کبھی رات چھا جاتی، تو ان تمام صورتوں میں اس کرّے پر کوئی زندگی ممکن نہ ہوتی، بلکہ غیر زندہ مادوں کی شکل و ہیئت بھی موجودہ شکل سے بہت مختلف ہوتی۔ دل کی آنکھیں بند نہ ہوں تو آدمی اس نظام کے اندر ایک ایسے خدا کی کارفرمائی صاف دیکھ سکتا ہے جس نے اس زمین پر اس خاص قسم کی مخلوقات کو وجود میں لانے کا ارادہ کیا اور ٹھیک ٹھیک اس کی ضروریات کے مطابق زمین اور سورج کے درمیان یہ نسبتیں قائم کیں (۹۱)

ٹھکانے سے مراد وہ جگہ بھی ہو سکتی ہے جہاں جا کر سورج کو آخر کار ٹھہر جانا ہے اور وہ وقت بھی ہو سکتا ہے جب وہ ٹھہر جائے گا۔ اس آیت کا صحیح مفہوم انسان اسی وقت متعین کر سکتا ہے جب کہ اسے کائنات کے حقائق کا ٹھیک ٹھیک علم حاصل ہو جائے۔ لیکن انسانی علم کا حال یہ ہے کہ وہ ہر زمانہ میں بدلتا رہا ہے اور آج جو کچھ اسے بظاہر معلوم ہے اس کے بدل جانے کا ہر وقت امکان ہے۔ سورج کے متعلق قدیم زمانے کے لوگ عینی مشاہدے کی بنا پر یہ یقین رکھتے تھے کہ وہ زمین کے گرد چکر لگاتا ہے۔ پھر مزید تحقیق و مشاہدہ کے بعد یہ نظریہ قائم کیا گیا کہ وہ اپنی جگہ ساکن ہے اور نظامِ شمسی کے سیّارے اس کے گرد گھوم رہے ہیں۔ لیکن یہ نظریہ بھی مستقل ثابت نہ ہوا۔ بعد کے مشاہدات سے پتہ چلا کہ نہ صرف سورج بلکہ وہ تمام تارے جن کو ثوابت (FIXED STARS) کہا جاتا ہے ایک رخ پر چلے جا رہے ہیں۔ ثوابت کی رفتار کا اندازہ ۱۰ میل سے لے کر ۱۰۰ میل فی سکنڈ تک کیا گیا ہے اور سورج کے متعلق موجودہ زمانہ کے ماہرینِ فلکیات کہتے ہیں کہ وہ اپنے پورے نظام شمسی کو لیے ہوئے ۲۰ کیلومیٹر (تقریباً ۱۲ میل) فی سکنڈ کی رفتار سے حرکت کر رہا ہے (ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، لفظ "اسٹار")

چاند کی گردش

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ۔ (یٰس۔ آیت ۳۹)	چاند، اس کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ ان سے گزرتا ہوا وہ پھر کھجور کی سوکھی شاخ کے مانند رہ جاتا ہے۔

یعنی مہینے کے دوران میں چاند کی گردش ہر روز بدلتی رہتی ہے۔ ایک دن وہ ہلال بن کر طلوع ہوتا ہے پھر روز بروز بڑھتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ چودھویں رات کا بدرِ کامل بن جاتا ہے۔ اس کے بعد روز گھٹتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ آخر کار پھر اپنی ابتدائی ہلالی شکل پر واپس پہنچ جاتا ہے۔ یہ چکر لاکھوں برس سے پوری باقاعدگی کے ساتھ چل رہا ہے اور چاند کی ان مقررہ منزلوں میں کبھی فرق نہیں آتا۔ اسی وجہ سے انسان

حساب لگا کر ہمیشہ یہ معلوم کر سکتا ہے کہ کس روز چاند کس منزل میں ہو گا۔ اگر اس کی حرکت کسی ضابطہ کی پابند نہ ہوتی تو یہ حساب لگانا ممکن نہ ہوتا۔

لَا الشَّمۡسُ یَنۡۢبَغِیۡ لَہَاۤ اَنۡ تُدۡرِکَ الۡقَمَرَ وَ لَا الَّیۡلُ سَابِقُ النَّہَارِ۔ (یٰسین۔ ایت ۴۰)

نہ سورج کے بس میں یہ ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جا سکتی ہے۔

اس فقرے کے دو مطلب لیے جا سکتے ہیں اور دونوں صحیح ہیں۔ ایک یہ کہ سورج میں یہ طاقت نہیں ہے کہ چاند کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لے، یا خود اس کے مدار میں داخل ہو کر اس سے جا ٹکرائے۔ دوسرا یہ کہ جو اوقات چاند کے طلوع و ظہور کے لیے مقرر کر دیے گئے ہیں ان میں سورج کبھی نہیں آ سکتا۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ رات کو چاند چمک رہا ہو اور یکایک سورج افق پر آجائے۔

وَکُلٌّ فِیۡ فَلَکٍ یَّسۡبَحُوۡنَ (یٰسین۔ ایت ۴۰) سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔

فلک کا لفظ عربی زبان میں تیاروں کے مدار (ORBIT) کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اس کا مفہوم سماء (آسمان) کے مفہوم سے مختلف ہے۔ یہ ارشاد کہ "سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں" چار حقیقتوں کی طرف نشان دہی کرتا ہے۔ ایک یہ کہ نہ صرف سورج اور چاند، بلکہ تمام تارے اور سیارے اور اجرامِ فلکی متحرک ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان میں سے ہر ایک کا فلک، یعنی ہر ایک کی حرکت کا راستہ یا مدار الگ ہے۔ تیسرے یہ کہ افلاک تاروں کو لیے ہوئے گردش نہیں کر رہے ہیں بلکہ تارے افلاک میں گردش کر رہے ہیں اور چوتھے یہ کہ افلاک میں تاروں کی حرکت اس طرح ہو رہی ہے جیسے کسی سیال چیز میں کوئی شے تیر رہی ہو۔

نظامِ شمسی اور وسعتِ کائنات

ہماری یہ زمین جس نظامِ شمسی میں شامل ہے اس کی عظمت کا یہ حال ہے کہ اس کا مرکز، سورج زمین سے تین لاکھ گنا بڑا ہے، اس کے بعید ترین سیارے نیپچون کا فاصلہ سورج سے کم از کم ۲ ارب ۷۹ کروڑ ۳۰ لاکھ میل ہے۔ بلکہ اگر پلوٹو کو بعید ترین سیارہ مانا جائے تو وہ سورج سے ۴ ارب ۶۰ کروڑ میل دور تک پہنچ جاتا ہے۔ اس عظمت کے باوجود یہ نظامِ شمسی ایک بہت بڑے کہکشاں کا محض ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ جس کہکشاں (GALAXY) میں ہمارا یہ نظامِ شمسی شامل ہے اس میں تقریباً ۳ ہزار ملین (۳ ارب) آفتاب پائے جاتے ہیں اور اس کا قریب ترین آفتاب ہماری زمین سے اس قدر دور ہے کہ اس کی روشنی یہاں تک پہنچنے میں ۴ سال صرف

ہوتے ہیں۔ پھر یہ کہکشاں بھی پوری کائنات نہیں ہے، بلکہ اب تک کے مشاہدات کی بنا پر اندازہ کیا گیا ہے کہ یہ تقریباً ۲۰ لاکھ لولبی سحابیوں (SPIYAL NEBULAE) میں سے ایک ہے، اور ان میں سے قریب ترین سحابیے کا فاصلہ ہم سے اس قدر زیادہ ہے کہ اس کی روشنی دس لاکھ سال میں ہماری زمین تک پہنچتی ہے۔ سب سے بعید ترین اجرامِ فلکی جو ہمارے موجودہ آلات سے نظر آتے ہیں، ان کی روشنی تو زمین تک پہنچنے میں ۸ کروڑ سال لگ جاتے ہیں۔ اس پر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انسان نے ساری کائنات دیکھ لی ہے۔ یہ خدا کی خدائی کا بہت تھوڑا حصہ ہے جو اب تک انسانی مشاہدے میں آیا ہے۔ آگے نہیں کہا جا سکتا کہ مزید ذرائعِ مشاہدہ فراہم ہونے پر اور کتنی وسعتیں انسان پر منکشف ہوں گی۔

تمام معلومات جو اس وقت تک کائنات کے متعلق بہم پہنچی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ پورا عالم اسی مادے سے بنا ہوا ہے جس سے ہماری چھوٹی سی ارضی دنیا بنی ہے۔ اور اس کے اندر وہی ایک قانون کام کر رہا ہے جو ہماری زمین کی دنیا میں کارفرما ہے، ورنہ یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ ہم اس زمین پر بیٹھے ہوئے اتنی دور دراز دنیاؤں کے مشاہدے کرتے اور ان کے فاصلوں کو ناپتے اور ان کی حرکات کے حساب لگاتے۔

آسمان

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا (لقمٰن - آیت ۱۰) — اس نے آسمانوں کو پیدا کیا بغیر ستونوں کے جو تم کو نظر آئیں۔

اصل الفاظ ہیں بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا۔ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ "تم خود دیکھ رہے ہو کہ وہ بغیر ستونوں کے قائم ہیں" دوسرا مطلب یہ کہ "وہ ایسے ستونوں پر قائم ہیں جو تم کو نظر نہیں آتے"۔ ابنِ عباسؓ اور مجاہدؒ نے دوسرا مطلب لیا ہے، اور بہت سے دوسرے مفسرین پہلا مطلب لیتے ہیں۔ موجودہ زمانے کے علومِ طبیعی کے لحاظ سے اگر اس کا مفہوم بیان کیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ تمام عالمِ افلاک میں یہ بے حد و حساب عظیم الشان تارے اور سیارے اپنے اپنے مقام و مدار پر غیر مرئی سہاروں سے قائم کیے گئے ہیں۔ کوئی تار نہیں ہیں جنھوں نے ان کو ایک دوسرے سے باندھ رکھا ہو۔ کوئی سلاخیں نہیں ہیں جو ان کو ایک دوسرے پر گر جانے سے روک رہی ہوں۔ صرف قانونِ جذب و کشش ہے جو اس نظام کو تھامے ہوئے ہے۔ یہ تعبیر ہمارے آج کے علم کے لحاظ سے ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کل ہمارے علم میں کچھ اور اضافہ ہو اور اس سے زیادہ لگتی ہوئی کوئی دوسری تعبیر اس حقیقت کی کی جا سکے۔

آسمان اور زمین بنانے میں کتنے دن لگے

اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ (الفرقان - آیت ۵۹)

وہ جس نے چھ دنوں میں زمین اور آسمانوں کو اور ان ساری چیزوں کو بنا کر رکھ دیا جو آسمان وزمین کے درمیان ہیں۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ (الاعراف - آیت ۵۴)

درحقیقت تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر اپنے تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا۔

زمین وآسمان کو چھ دن میں پیدا کرنے کا مضمون متشابہات کے قبیل سے ہے جس کا مفہوم متعین کرنا مشکل ہے۔ ممکن ہے کہ ایک دن سے مراد ایک دور ہو اور ممکن ہے کہ اس سے مراد وقت کی اتنی مقدار ہو جس پر ہم دنیا میں لفظ دن کا اطلاق کرتے ہیں۔

یعنی دن کا لفظ یا تو اسی چوبیس گھنٹے کے دن کا ہم معنی ہے جسے دنیا کے لوگ دن کہتے ہیں، یا پھر یہ لفظ دور (PERIOD) کے معنی میں استعمال ہوا ہے، جیسا کہ سورۂ حج آیت ۴۷ میں فرمایا وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (اور حقیقت یہ ہے کہ تیرے رب کے ہاں ایک دن ہزار سال کے برابر ہے اس حساب سے جو تم لوگ لگاتے ہو)، اور سورۂ معارج کی آیت ۴ میں فرمایا کہ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (فرشتے اور جبریل اس کی طرف ایک دن میں چڑھتے ہیں جس کی مقدار ۵۰ ہزار سال کی ہے۔ اس کا صحیح مفہوم اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ الْكَوَاكِبِ (الصٰفّٰت - آیت ۶)

ہم نے آسمان دنیا کو تاروں کی زینت سے آراستہ کیا ہے۔

آسمانِ دنیا سے مراد قریب کا آسمان ہے جس کا مشاہدہ کسی دوربین کی مدد کے بغیر ہم برہنہ آنکھوں سے کرتے ہیں۔ اس کے آگے جو عالم مختلف طاقتوں کی دوربینوں سے نظر آتے ہیں، اور جن عالموں تک ابھی ہمارے وسائلِ مشاہدہ کی رسائی نہیں ہوئی ہے۔ وہ سب دور کے آسمان ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ "سماء" کسی متعین چیز کا نام نہیں ہے بلکہ قدیم ترین زمانے سے آج تک انسان بالعموم یہ لفظ اور اس کے ہم معنی الفاظ عالمِ بالا کے لیے استعمال کرتا چلا آ رہا ہے۔

عالمِ بالا محض خلا ہی نہیں ہے کہ جس کا جی چاہے اس میں نفوذ کر جائے، بلکہ اس کی بندش ایسی مضبوط ہے اور اس کے مختلف خطّے ایسی مستحکم سرحدوں سے محصور کیے گئے ہیں کہ کسی شیطانِ سرکش کا ان حدود سے گزر جانا ممکن نہیں ہے۔ کائنات کے ہر تارے اور ہر سیارے کا اپنا ایک دائرہ اور کرہ (SPHERE) ہے جس کے اندر سے کسی کا نکلنا بھی سخت دشوار ہے اور جس میں سے باہر سے کسی کا داخل ہونا بھی آسان نہیں ہے[1]۔ ظاہری آنکھ سے کوئی دیکھے تو خلائے محض کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ لیکن حقیقت میں اس خلا کے اندر بے حد و حساب خطّے ایسی مضبوط سرحدوں سے محفوظ کیے گئے ہیں جن کے مقابلے میں آہنی دیواروں کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اس کا کچھ اندازہ ان گوناگوں مشکلات سے کیا جا سکتا ہے جو زمین کے رہنے والے انسان کو اپنے قریب ترین ہمسائے چاند تک پہنچنے میں پیش آ رہی ہیں۔ ایسی ہی مشکلات زمین کی دوسری مخلوق، یعنی جنوں کے لیے بھی عالمِ بالا کی طرف صعود کرنے میں مانع ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ	اللہ ہی نے تمہارے لیے یہ مویشی جانور بنائے ہیں
لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ٘	تاکہ ان میں سے کسی پر تم سوار ہو اور کسی کا گوشت
وَ لَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَ	کھاؤ۔ ان کے اندر تمہارے لیے اور بھی بہت
لِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ	سے منافع ہیں۔ وہ اس کام بھی آتے ہیں کہ تمہارے
صُدُوْرِكُمْ وَ عَلَیْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ	دلوں میں جہاں جانے کی حاجت ہو وہاں تم
تُحْمَلُوْنَ٘	ان پر پہنچ سکو۔ ان پر بھی اور کشتیوں پر بھی تم
(المومن۔ آیات ۷۹-۸۰)	سوار کیے جاتے ہو۔

زمین پر جو جانور انسان کی خدمت کر رہے ہیں، خصوصاً گائے، بیل، بھینس، بھیڑ، بکری، اونٹ اور گھوڑے، ان کو بنانے والے نے ایسے نقشے پر بنایا ہے کہ یہ بآسانی انسان کے پالتو خادم بن جاتے ہیں۔ اور ان

---

[1] ہر تارے اور سیارے کے خاص دائرے سے آگے ہر نظامِ شمسی اور ہر کہکشانی نظام کے مخصوص دائروں کا معاملہ زیرِ توجہ آتا ہے۔ غالباً یہاں پہنچ کر حفاظتی قلعہ بندیاں اور بھی سخت ہو جاتی ہوں گی۔

چاند پر پہنچ جانے کے واقعات کی روشنی میں بعض ذہنوں کو اس طرح کی مختلف آیات کے سمجھنے میں مشکلات پیش آتی ہیں۔ چاند تو مستقل بالذات سیارہ نہیں ہے، بلکہ وہ سیارۂ ارض کا ذیلی سیارہ ہے۔

سے اُس کی بے شمار ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ ان پر سواری کرتا ہے، ان سے باربرداری کا کام لیتا ہے، انھیں کھیتی باڑی کے کام میں استعمال کرتا ہے۔ ان کا دودھ نکال کر اسے پیتا بھی ہے اور اس سے دہی، لسّی، مکھن، گھی، کھویا، پنیر اور طرح طرح کی مٹھائیاں بناتا ہے۔ ان کا گوشت کھاتا ہے۔ ان کی چربی استعمال کرتا ہے۔ ان کے اُون اور بال اور کھال اور آنتیں اور ہڈی اور خون اور گوبر، ہر چیز اس کے کام آتی ہے۔ کیا یہ اس بات کا کھلا ہوا ثبوت نہیں ہے کہ انسان کے خالق نے زمین پر اس کو پیدا کرنے سے بھی پہلے اس کی ان بے شمار ضروریات کو سامنے رکھ کر یہ جانور بھی اس خاص نقشے پر پیدا کر دیے تھے تاکہ وہ ان سے فائدہ اٹھائے۔

اصل کارفرمائی اللہ تعالیٰ کی ہے

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِیُرِیَكُمْ مِّنْ اٰیٰتِهٖ۔ (لقمٰن۔ آیت ۳۱)	"کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ کشتی سمندر میں اللہ کے فضل سے چلتی ہے تاکہ وہ تمھیں اپنی کچھ نشانیاں دکھائے؟"

یعنی ایسی نشانیاں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اختیارات بالکل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ انسان خواہ کیسے ہی مضبوط اور بحری سفر کے لیے موزوں جہاز بنالے اور جہازرانی کے فن اور اس سے تعلق رکھنے والی معلومات اور تجربات میں کتنا ہی کمال حاصل کرلے، لیکن سمندر میں جن ہولناک طاقتوں سے اس کو سابقہ پیش آتا ہے اس کے مقابلے میں وہ تنہا اپنی تدابیر کے بل بوتے پر بخیریت سفر نہیں کرسکتا جب تک اللہ کا فضل شامل حال نہ ہو۔[1]

---

[1] پھر زمین کا تین چوتھائی حصہ پانی سے لبریز ہے اور صرف ایک چوتھائی خشکی پر مشتمل ہے۔ خشک حصّوں کے بھی بہت سے چھوٹے اور بڑے رقبے ایسے ہیں جن کے درمیان پانی حائل ہے۔ کرۂ زمین کے ان خشک علاقوں پر انسانی آبادیوں کا پھیلنا اور پھران کے درمیان سفر و تجارت کے تعلقات کا قائم ہونا اس کے بغیر ممکن نہ تھا کہ پانی اور سمندروں اور ہواؤں کو ایسے قوانین کا پابند بنایا جاتا جن کی بدولت جہازرانی کی جاسکتی، اور زمین پر وہ سروسامان پیدا کیا جاتا جسے استعمال کر کے انسان جہاز سازی پر قادر ہوتا۔ کیا یہ اس بات کی صریح علامت نہیں ہے کہ ایک ہی قادر مطلق رب رحیم و حکیم ہے جس نے انسان اور زمین اور پانی اور سمندروں اور ہواؤں اور ان تمام چیزوں کو جو زمین پر ہیں اپنے خاص منصوبے کے مطابق بنایا ہے۔ بلکہ اگر انسان صرف جہازرانی کے نقطۂ نظر سے دیکھے تو اس میں تاروں کے مواقع اور سیّاروں کی باقاعدہ گردش سے جو مدد ملتی ہے وہ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ زمین ہی نہیں، آسمانوں کا خالق بھی وہی ایک رب کریم ہے۔

اس کی نگاہِ کرم پھرتے ہی آدمی کو معلوم ہوجاتا ہے کہ اس کے ذرائع و وسائل اور کمالاتِ فن کتنے پانی میں ہیں۔ اسی طرح آدمی امن و اطمینان کی حالت میں چاہے کیسا ہی سخت دہریہ یا کٹا مشرک ہو، لیکن سمندر کے طوفان میں جب اس کی کشتی ڈوبنے لگتی ہے اس وقت دہریے کو بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ خدا ایک ہے اور مشرک بھی جان لیتا ہے کہ خدا بس ایک ہی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَکُمُ الْبَحْرَ	وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمھارے لیے سمندر کو
لِتَجْرِیَ الْفُلْکُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ	مسخر کیا تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں اس میں چلیں
وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّکُمْ	اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور شکر گزار رہو۔
تَشْکُرُوْنَ ۝ وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی	اس نے زمین اور آسمانوں کی ساری ہی چیزوں کو
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا	تمھارے لیے مسخر کردیا، سب کچھ اپنے
مِّنْهُ (الجاثیہ - آیات ۱۲-۱۳)	پاس سے۔

اس فقرے کے دو مطلب ہوسکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ کا یہ عطیہ دنیا کے بادشاہوں کا سا عطیہ نہیں ہے جو رعیت سے حاصل کیا ہوا مال رعیت ہی میں سے کچھ لوگوں کو بخش دیتے ہیں، بلکہ کائنات کی یہ ساری نعمتیں اللہ کی اپنی پیدا کردہ ہیں اور اس نے اپنی طرف سے یہ انسان کو عطا فرمائی ہیں۔ دوسرے یہ کہ نہ ان نعمتوں کے پیدا کرنے میں کوئی اللہ کا شریک ہے نہ انھیں انسان کے لیے مسخر کرنے میں کسی اور ہستی کا کوئی دخل، تنہا اللہ ہی ان کا خالق بھی ہے اور اس نے اپنی طرف سے وہ انسان کو عطا کی ہیں۔

ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَهٗ (عبس - آیت ۲۰)	پھر اس کے لیے زندگی کی راہ آسان کردی۔

یعنی دنیا میں وہ تمام اسباب و وسائل فراہم کیے جن سے یہ کام لے سکے، ورنہ اس کے جسم اور اس کے ذہن کی ساری قوتیں بے کار ثابت ہوتیں اگر خالق نے ان کو استعمال کرنے کے لیے زمین پر یہ سر و سامان مہیا نہ کردیا ہوتا اور یہ امکانات پیدا نہ کردیے ہوتے۔